© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

ہماری قومی سیرت کا ایک بڑا کمزور پہلو یہ ہے کہ کسی تحریک میں اس وقت تک جوش و خروش پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کی بنیاد کسی مطالبہ پر اور کسی گروہ یا جماعت یا حکومت کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ مخالفانہ رویہ پر نہ ہو گویا کوئی تحریک خواہ مذہبی ہو یا سیاسی۔ ادبی ہو یا لسانی منفی نقطۂ نظر کے بغیر چل ہی نہیں سکتی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم میں تعمیری تحریکوں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے کی صلاحیت روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ اگر آپ کو کسی بات پر حکومت یا کسی شخص کے خلاف مظاہرہ کرانا ہو تو دو چار اخباروں میں کوئی اشتعال انگیز خبر چھپوا دیجیے۔ ہزاروں انسان آپ کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور پھر اُس وقت جو کام آپ اُن سے لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر انھیں لوگوں سے کہا جائے کہ فلاں کام کے کرنے سے قوم زندہ اور مضبوط ہوتی ہے۔ مگر وہ کام ٹھنڈے دل و دماغ سے کرنے کا ہے۔ پتہ مار کر کرنے کا ہے زبان کو بند مگر آنکھوں اور دماغ کو کھلا رکھ کر کرنے کا ہے تو سب لوگ منتشر ہو جائیں گے اور ممکن ہے اُن میں سے بہتیرے آپ کو گالیاں بھی دینے لگیں۔ آزادی سے قبل جب کہ انگریز نشانہ پر تھا کانگریس کیا تھی! لیکن آج جب کہ تعمیر و ترقی کا دور ہے اُس کا کیا حال ہے؟ تقسیم سے پہلے جب کہ ہندو اکثریت کا کابوس لیگ کے دل و دماغ پر مسلط تھا مسلم لیگ کا کیا جاہ و جلال اور طنطنہ تھا لیکن آج وہ کہاں ہے؟ آزادی سے قبل جو لیڈر قوم کے سرتاج تھے آج اُن کی پوزیشن کیا ہے اور ملک میں ان کو کیا وقار حاصل ہے؟ حالانکہ یہ لوگ اگر کل مخلص اور دیانت دار تھے تو آج بھی ان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور اگر آج وہ خود غرض اور بد دیانت ہیں تو اُس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کل بھی ایسے ہی تھے، بہرحال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ یا وہ قوم کا ایک نہ ایک طرزِ عمل جو اپنے لیڈروں کے ساتھ ہے غلط ہے۔ کیوں کہ خلوص اور خود غرضی دونوں کا تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانی جبلت اور فطرت سے ہے اور جبلت کبھی نہیں بدلتی۔

قومی سیرت کی اس کمزوری کا اثر یہ ہے کہ بعض اوقات سنجیدہ فکر و دماغ کے لیڈروں کو بھی عوام کا اعتماد برقرار رکھنے کے لئے ایسی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے جس کو وہ خود قوم کے حق میں بہتر نہیں سمجھتے۔ مثلاً اُردو کی جو تحریک آج کل چل رہی ہے اسی کو لیجئے۔ پورے ملک میں اُردو کو علاقائی زبان بنوانے کا شور ہے۔ ہنگامہ ہے۔ پہلے یہ مطالبہ صرف اُتر پردیش کے لئے تھا لیکن اب دہلی۔ بہار۔ اور آندھرا وغیرہ بھی اس میں شامل کر لئے گئے ہیں۔ ۲۴، ۲۵، اور ۲۶، دسمبر کو دلی میں جو آل انڈیا اردو کانفرنس ہو رہی ہے اُس کے متعلق اخبارات میں جو خبر چھپی ہے اُس میں بھی منقطع کا بند یہی ہے کہ کانفرنس سے پہلے ایک وفد صدر جمہوریہ سے ملاقات کرے گا اور کانفرنس میں اس ملاقات کی رپورٹ پیش کرے گا۔

اُتر پردیش میں اُردو کو علاقائی زبان بنانے کی تحریک جب شروع ہوئی تھی تو اسی وقت اُردو کے سچے خیر خواہ مگر دور اندیش اصحاب کو اندیشہ تھا کہ اگر صدر جمہوریہ نے یہ درخواست منظور فرما بھی لی تو کہیں اس کا نتیجہ یہ تو نہیں ہوگا کہ صوبہ میں فرقہ پرستی کا طوفان از سر نو امنڈ آئے اور اس کی وجہ سے اقلیت پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے۔ پہلے یہ صرف اندیشہ ہی اندیشہ تھا لیکن کم و بیش چار ماہ سے آج کل جو کچھ پنجاب میں ہو رہا ہے اور جس طرح ہو رہا ہے اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اندیشہ بالکل بے بنیاد اور محض خام خیالی ہے۔ بھلا فرقہ پرستی کے اس جنون کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ پنجاب میں جھگڑا ہے ہندوؤں اور سکھوں کے درمیان۔ نزاع ہے ہندی اور گورمکھی کا لیکن خواہ مخواہ اس کی تان ٹوٹ رہی ہے غریب مسلمانوں پر اور نہرو جی اور کانگرس کو طعنے دئے جا رہے ہیں مسلم پروری کے۔ پس جب صورت حال یہ ہو تو ہمارے زعماء کو غور کرنا چاہئے کہ اُردو کو علاقائی زبان بنانے پر اس قدر اصرار اور اس کے لئے بار بار صدر جمہوریہ سے عرض معروض اور پھر پبلک میں سب سے زیادہ اسی کو موضوعِ بحث بنانا اور اس پر گرم گرم تقریریں کرنا کہاں تک مقتضائے مصلحت و عقلمندی ہو سکتا ہے؟

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ ۔۔۔ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

© rasailojaraid.com